معاشرتی ومعاشی مسائل کا حل: تعلیماتِ صوفیائے چشت

Solutions of Socio-Political problems: Preaching and Practices of Chishti Mystics

سعدیہ نورین[*]

ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس[**]

ABSTRACT:

The present study tries to explore and identify a possible pattern to the efforts of Chishti Sufia in India to serve the people socially, politically, morally and spiritually. Soon after the inception of Chishti Silsilah in India Khawaja Mu'in-al-Din Chishti along with his contemporary Chishti Shaykhs, laid down the principles of Silsilah. He also carved out a space for independent action and practices of Chishti principles, free from the interference of state for their Silsilah in subcontinent. In fact from the very beginning, Chishtis made it a definite policy to keep a distance from the rulers and to serve the people in all aspect. Chishtis expanded the space of their Silsilah by further application of Chishti principles. But rulers tried to Negociate the space between Chishti Sufia and state which Efforted the cultural and social values of people. People always tried to seek guidance, justice and resolve their social and family matters to Chishti Sufias.

Key Words: Chishti,Sufia,Social,Matters,Guidance,Spirrituality,Efforts.

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا اور زمین پر اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا پھر انسان کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے پے در پے اپنی برگزیدہ ہستیوں کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ سلسلہ نبوت کے اختتام کے بعد ان کے اس منشور کی ذمہ داری تمام مسلمانوں پر بالعموم اور علماء واولیاء پر بالخصوص عائد ہوتی ہے۔ چنانچہ بنی نوع انسان کی ہدایت و اصلاح اور تزکیہ نفس کیلئے امت مصطفیٰ ﷺ کے اولیاء ہر دور میں اپنا اپنا کردار ادا کرتے نظر آتے ہیں۔ صوفیائے چشت بھی اصلاح معاشرت اور تزکیہ نفس میں پیش پیش نظر آتے ہیں۔ ہر خطے کی معاشرت اور ثقافت کا ایک خاص مزاج ہوتا ہے چنانچہ آج بھی برصغیر پاک وہند کی معاشرت اور ثقافت کا کم وبیش وہی مزاج ہے جو صوفیہ کے دور میں تھا یہ وہ صوفیہ ہیں جنہوں نے معاشرے کے اندر پائے جانے والے مسائل کو نظر عمیق سے دیکھا اور ان مسائل سے نمٹنے کیلئے خاص طرز عمل اختیار کر کے معاشرتی اصلاح میں اپنا کردار ادا کیا۔ آج ہم اگر غور کریں تو قومی اور بین الاقوامی سطح پر ایسے معاشرتی مسائل کا سامنا ہے کہ جن سے معاشرے کا توازن بگڑتا ہوا نظر آتا ہے اور اس بگڑتی ہوئی صورتحال کا جائزہ لے کر صوفیۂ چشت کی سماجی مسائل کے حل کیلئے اصلاحات سے ہم استفادہ کر سکتے ہیں۔ ذیل میں ان صوفیہ کو درپیش مسائل کا عصر حاضر میں پائے جانے والے معاشی ومعاشرتی مسائل کے ساتھ تطبیقی جائزہ لیتے ہوئے ان صوفیہ کی خدمات سے عصرِ حاضر میں استفادہ کی کوشش کی جائے گی۔

[*]Ph.D Scholar, Department Islamic Studies, GCU, Faisalabad.

[**]Professor, Department of Islamic Studies, GCU, Faisalabad.

رشتوں کے تقدس کی بحالی:

اسلام دین فطرت ہے اِس کے تمام اُصول فطرت انسانی کے تقاضوں کے عین مطابق ہیں۔ انھی فطری تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے دین اسلام رشتوں کے تقدس کی بحالی پر زور دیتا ہے لیکن موجودہ دور میں کچھ معاشرتی رویوں نے اس تقدس کو پامال کر دیا ہے جیسا کہ اولڈ ایج ھاؤسز کا قیام عمل میں آیا ہے۔ یہ ایک ایسا معاشرتی ناسور ہے کہ جس نے معاشرتی رویوں کو یکسر بدل کر رکھ دیا ہے۔ خاص طور پر یہ ھاؤسز یورپ کے معاشرے میں قائم کیے گئے مگر آہستہ آہستہ مسلم معاشرت بھی اس سے اثر انداز ہوتی ہوئی نظر آرہی ہے۔ چنانچہ والدین کی خدمت نہ کرنے کی بجائے اُن کو اولڈ ایج ھاؤسز میں چھوڑ دینا اور پھر معاشرتی طور پر ایک Funded ادارے کے نذر کر دینا ایک نہایت ہی تکلیف دہ اور معاشرتی توازن کو بگاڑ دینے والا عمل ہے۔ صوفیۂ چشت نے معاشرے میں اس کی ذرا سی بھی رمق کو دیکھ کر فوراً اس کا قلع قمع کیا۔ چنانچہ خواجہ شاہ سلیمان تونسویؒ سے ایک شخص نے آکر عرض کی کہ جناب میرے اطفال میری عزت بھی نہیں کرتے اور میری خدمت بھی نہیں کرتے تو شاہ صاحب کو یہ سُن کر رنج ہوا اور وہ انسانی فطرت سے واقف تھے چنانچہ فرمانے لگے کہ: ''از علامات قیامت است کہ پسر باپدر در جنگ ونزاع باشد''[1]۔ یہ علاماتِ قیامت میں سے ہے کہ بیٹا باپ سے جھگڑا کرتا ہے۔

خواجہ نور محمد مہارویؒ نے جب ایسی نامساعد صورتحال دیکھی تو اس کو دور کرنے کی بے حد کوشش کی اور مختلف طریقوں سے والدین اور اولاد کے تعلقات میں شگفتگی، اطاعت اور معقولیت پیدا کرنے کی سعی فرمائی چنانچہ فرماتے ہیں کہ:

''خدمت و فرماں برداری والدین از دل و جاں باید کرد کہ در حدیث آمدہ کہ والدین مثل کعبۃ اللہ اند... اگر کسے والدین را رو کند ہر گز مقبول نہ شود''[2]۔ یعنی والدین کی خدمت اور فرمانبرداری دل و جان سے کرنی چاہیے کہ حدیث میں آیا ہے کہ والدین کعبۃ اللہ کی مثل ہیں اور جو ان کو رد کرتا ہے وہ خود ہر گز مقبول نہیں ہو سکتا۔

صوفیۂ چشت کی ان تعلیمات سے معاشرے کے توازن میں پیدا ہونے والے بگاڑ کا حل ملتا ہے۔ کیونکہ یہ انسانی فطرت ہے کہ معاشرے میں والدین جب بڑھاپے کو پہنچ جاتے ہیں تو ان کے نزدیک ان کے اطفال کا صرف پاس موجود ہونا ہی کافی ہو جاتا ہے کہ جس سے ان کا مرض تک بھی جاتا رہتا ہے۔ نہایت غیر مناسب اور غیر فطری عمل ہے کہ جس کے تحت والدین کو بوجھ سمجھ کر بچوں سے علیحدہ کر کے اولڈ ھاؤسز میں منتقل کر دیا جاتا ہے۔ دراصل یہ معاشرے میں بڑھتی ہوئی مادیت پرستی کے اثرات ہیں۔ قرآن مجید نے جو اُصول دیا وہ فطرت انسانی کے عین مطابق ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے کہ:

وَقَضَى رَبُّكَ أَلاَّ تَعْبُدُواْ إِلاَّ إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَاناً إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلاَهُمَا فَلاَ تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلاَ تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلاً كَرِيماً۔[3]

ترجمہ: اور یہ تمہارے رب کا فیصلہ ہے کہ اس کے علاوہ کسی کی عبادت مت کرو اور والدین کے ساتھ احسان کرو اگر اُن دونوں میں سے کوئی ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اف تک مت کہو اور انہیں مت جھڑکو اور اُن سے نہایت نرمی سے بات کیا کرو۔

اسلام کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ والدین کی اولڈ ایج میں تکریم کے ایسے درخشاں اصول واضح کرتا ہے کہ جن سے کوئی ابہام باقی

نہیں رہ جاتا۔ چنانچہ خدمت نہ کرنا تو درکنار، اسلام نے جو اصول دیے ان میں اولڈ ایج میں والدین کے سامنے جھڑکی آمیز لہجے میں گفتگو تک کرنے سے منع کر دیا گیا ہے اور نہایت نرم خو ہو کر گفتگو کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ صوفیہ کی تعلیمات سے اس مسئلے کا حل ملتا ہے کہ نہایت ادب سے اور تکریم سے اُن کی خدمت کی جائے۔ خواجہ نور محمد مہاروی نے استشہادی طور پر حدیث مبارکہ سے استدلال لے کر تمثیلاً والدین کی تکریم کو واضح کر دیا کہ جیسے کعبۃ اللہ کی حرمت ہے بالکل ایسے ہی والدین کی عزت و تکریم ہے۔ آج بھی ضرورت اس امر کی ہے کہ صوفیہ چشت کی ان تعلیمات کی روشنی میں معاشرے کے بگڑتے ہوئے توازن کو سنبھالا جائے اور اولڈ ایج ھاؤسز کی بجائے والدین کو اپنے پاس رکھا جائے اور صوفیۂ چشت کے ان درخشاں اصولوں کے مطابق ان کی عزت و تکریم اور خدمت کی جائے۔ اس بگڑتے ہوئے توازن میں ایک اور بُرائی جو اس بُرائی کا مقابل (Reciprocal) ہے وہ یہ ہے کہ والدین بھی بچوں کی تربیت کی طرف وہ توجہ نہیں دیتے جو ان کی اُس عمر میں ضرورت ہوتی ہے۔ مثلاً Montessori اور Boarding School میں والدین کی توجہات سے دور ایک ایسے سسٹم میں بچوں کو رکھا جاتا ہے کہ جہاں تربیت مکمل طور پر اساتذہ اور ادارے کے ذمے ہو جاتی ہے جبکہ اس میں بھی توازن ہونا چاہیے، والدین، اساتذہ اور ادارہ، یہ ایک ایسی مثلث Triangle ہے جو بچے کی تربیت پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اس میں سے کسی ایک کو بھی اگر منہا کر دیا جائے تو بچے کی تربیت میں نقص رہ جاتا ہے لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ معاشرے میں ہر دو طرح کا توازن رکھا جائے۔

رشتوں کے تقدس کی پامالی کی ایک بڑی وجہ غیر متوازن اور غیر فطری قانون سازی بھی ہے کہ جس میں والدین بچوں کی تربیت کے لیے سرزنش تک نہیں کر سکتے۔ خاص طور پر یہ قانون یورپ اور دیگر ممالک میں عام ہے جب کہ اس کی مستعار لی گئی ایک صورت اسلامی ممالک میں بھی عام ہو رہی ہے اس غیر فطری قانون سازی سے بھی معاشرے کا توازن بگڑ تا ہے۔ والدین بچوں کو زبانی سرزنش بھی نہ کریں تو بچوں کا راہ راست پر رہنا ناممکن ہو جائے۔ اور اس کے ثمرات میں بہت کم عمر میں ہی جنسی بے راہ روی کا اختیار کرنا وغیرہ شامل ہے۔ اس ضمن میں وہ اُصول ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ جو شاہ کلیم اللہ نے شاہ نظام الدین اورنگ آبادی سے ان کے بیٹے خواجہ فخر الدین دہلوی کیلئے اپنے ایک مکتوب میں ارشاد فرمایا تھا کہ ہر بچہ صالح فطرت پر پیدا ہوتا ہے اور تمہارا کام ہے کہ اُس کی صالحیت کی کیسے نگرانی کرنی ہے۔ لہٰذا تمہاری گود میں رہتے ہوئے اگر یہ صالحیت کے ہی دائرے میں رہتا ہے تو فی زمانہ ولایت کے درجے تک پہنچنے میں کوئی بھی رکاوٹ نہیں آسکتی۔ صوفیائے چشت نے ہر چند والدین کی ذمہ داری ٹھہرائی ہے کہ جیسے بھی ہو سکے کڑی نگرانی کر کے بچوں کی صالحیت کی حفاظت کی جائے۔[4]

اسی طرح نفس کا تحفظ بھی موجودہ دور کی اہم ضرورت ہے کیونکہ یہ مسئلہ خاص طور پر یورپی ممالک اور مشرقی غیر مسلم ممالک میں موجود ہے کہ اب عائلی قوانین میں شناخت کے لیے باپ کے نام کی بجائے ماں کا نام استعمال ہونے لگا ہے۔ تاریخ عالم انسانی اس بات پر گواہ ہے کہ نسب ایک ایسی چیز ہے کہ جس کے معاملے میں اسلام ہمیشہ حساس رہا ہے۔ چنانچہ نکاح کے بعد اگر طلاق ہو جائے تو مطلقہ کی تین قروء تک کی عدت اور بیوہ کی چار ماہ دس دن تک کی عدت کا اصل مقصد ہی یہ ہے کہ خلط نسب نہ ہو اور نسب کا تحفظ رہ سکے۔ اور اگر حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع حمل ہے۔ لیکن آج کے دور میں والد کی طرف سے نسب کی بجائے والدہ کی طرف سے نسب کو بیان کیا جانے لگا ہے۔ جس کی وجہ سے معاشرہ میں ایک ایسا بگاڑ اور تناؤ پیدا ہو چکا ہے کہ انتقال وراثت وغیرہ اور دیگر قوانین کی جڑ تک اکھڑ چکی ہے۔ اگر ہم صوفیہ چشت کی تعلیمات کا

مطالعہ کریں تو نکاح میں جلدی اور عائلی زندگی کی جزئیات سے متعلق اُن کی تعلیمات سے درخشاں اصول ملتے ہیں۔ چنانچہ خواجہ نور محمد مہارویؒ نے اپنے مریدین کو بچوں کے نکاح میں بلوغت اور شعوری پختگی کے بعد جلدی کرنے کا حکم دیا۔ اور شعوری پختگی کو حقِ زوجیت یعنی نان و نفقہ و غیرھم کی خوب سُوجھ بوجھ سے تعبیر کیا ہے والدہ کے نام سے نسب چلانے کے عمل نے جنسی بے راہ روی کو بالواسطہ تقویت دی ہے۔ کہ خواتین آج یورپ میں بغیر نکاح کے ماں بننے کے بعد بچے کی نسبت ماں کی طرف سے کروا کر نکاح جیسی پابندی سے آزاد ہونا چاہتی ہیں۔ اس مادر پدر آزاد زمانے کی معاشرت آخر کار کیس طرف لے جائے گی اس کا اندازہ اولڈ ایج ھاؤسز کو دیکھ کر بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ چنانچہ اس بگڑتے ہوئے توازن کو بر قرار رکھنے کے لیے صوفیۂ چشت کی تعلیمات میں سُرعت نکاح کو اختیار کرنا چاہیے۔

دین اسلام نے نسب میں طعن کرنے کو بھی منع کیا گیا ہے اور خلط نسب کی سختی سے مذمت کی گئی ہے۔ اور اپنے آپ کو غیر باپ کی طرف منسوب کرنے والے پر لعنت کی گئی ہے۔ چنانچہ حدیث پاک میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ان من اعظم الفری ابدعی الرجل الی غیر ابیہ۔[5]

ترجمہ: بڑے جھوٹوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کوئی شخص اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کا (بیٹا ہونے کا) دعویٰ کرے۔

اس حدیث پاک میں بھی نسب کی حفاظت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور اُس نسب کو باپ کی طرف ہی منسوب کیا گیا ہے ماں کی طرف نہیں کیونکہ اگر نسب میں بگاڑ ہو تو بہت سے سوالات جنم لیتے ہیں جو معاشرے میں ایک بگاڑ پیدا کرتے ہیں۔ مثلاً اگر نسب ماں کی طرف ہے تو بچہ کے نان و نفقہ اور تعلیم کے اخراجات کس کی ذمہ داری ہیں۔ اور بچے کو ماں کی وراثت ملے گی مگر باپ اس ذمہ واری سے بری ہو گیا۔ چنانچہ ہر وہ چیز جو الرجال قوامون کے زمرے میں آتی ہے اُس پر سوال شروع ہو جاتے ہیں اور معاشرے میں بگاڑ کے ساتھ ایسا غیر متوازن معاشرہ سامنے آتا ہے کہ جس میں اخلاقیات کی پستی کی داستانیں رقم ہوتی ہیں۔ ان معاشرتی پستیوں کے حل کے لیے صوفیہ چشت نے سترھویں اور اٹھارہویں صدی میں خاص طور جو تربیت و نکاح کے اصول بتائے ان پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔ اِسی ضمن میں حدیث رسول ﷺ ہے:

من ادعی الی غیر ابیہ وھو یعلم انہ غیر ابیہ فالجنۃ علیہ حرام۔[6]

ترجمہ: جس نے اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف اپنے نسب کا دعویٰ کیا حالانکہ وہ جانتا ہے کہ وہ اس کا باپ نہیں ہے تو اس پر جنت حرام ہو گئی۔

اس حدیث میں بھی صراحت کے ساتھ باپ ہی کا ذکر کیا گیا کہ نسب ہمیشہ باپ کی طرف منسوب ہے اور باپ کے علاوہ کوئی بھی اور نسبت خلط نسب میں شمار ہو گی۔

بنیادی انسانی حقوق کا تحفظ:

اِسلام تمام اِنسانوں کے حقوق کا علمبر دار ہے تاکہ معاشرے میں توازن و اعتدال قائم رکھا جاسکے چنانچہ بنیادی انسانی حقوق کے ضمن میں حقوق نسواں موجودہ دور کا اہم ترین مسئلہ ہے۔ اس میں دو طرح کے رجحانات پائے جاتے ہیں۔ ایک طبقہ تو وہ ہے جو عورت کو کوئی حق دینا ہی نہیں چاہتا اور دوسرا طبقہ وہ ہے جو حقوقِ نسواں کے نام پر عورت کو معاشرے کی ٹھوکر پر لے آتا ہے اور پھر ایسی قانون سازی کرتا ہے کہ جس

میں خواتین کے حقوق کے نام پر ایک سوچا سمجھا معاشرتی بگاڑ پیدا کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس مسئلے کے حل کیلئے دونوں طرح کے رجحانات میں اعتدال چاہیے۔ جو کہ صوفیہ چشت کی تعلیمات سے ملتا ہے۔ صوفیۂ چشت بیعت کرنے تک کے روحانی عمل میں خواتین کے معاملے میں نہایت محتاط رویہ رکھتے ہیں تو دوسرے معاملاتِ معاشرہ تو ایک طرف ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ وہ عورت کو بالکل چادر و چار دیواری کے اصول کے مطابق آزادی کے حق میں ہیں اس کے علاوہ نہیں۔ یعنی حدود و قیود کو سامنے رکھتے ہوئے عورت معاشرے میں تعلیم و تعلم، علاج معالجہ وغیرہ ہر طرح کا حق روا رکھتی ہے مگر پردہ اور علیحدہ انتظام ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر مخلوط نظام میں بُرائی کو روکنا بہر صورت ناممکن ہے۔ چنانچہ یہاں شاہ کلیم اللہ دہلوی کے بتائے ہوئے دو اصول ذکر کرنا ضروری ہیں۔ پہلا اصول یہ ہے کہ خواتین کی بیعت و تبلیغ کے حوالے سے شاہ نظام الدین اورنگ آبادی کو یوں ہدایت فرماتے ہیں کہ ان کو بیعت و تبلیغ کا پورا پورا حق ہے۔ اور ان کی تربیت میں تامل بالکل نہ کرو مگر شرط یہ ہے کہ اختلاطِ مردوزن نہ ہو اور بے پردگی کا ذرا بھی احتمال نہ ہو۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ ": شما در بیعت کردن با عورات چرا اہمال مے ورزید، اگر جوان اند و اگر پیر، اگر حسین اند و اگر قبیح، ہمارا بجائے محرمات پنداشتہ کلمہ حق بگوش ایشاں باید رسانید"[7]۔

آپ تنبیہ فرماتے ہیں کہ تم نے عورتوں کی بیعت و تبلیغ میں تامل کیوں کیا چاہے جوان ہوں یا بوڑھی ہوں، خوبصورت ہوں یا بدشکل سب کو عزت و حرمت کے ساتھ کلمہ حق پہچانا چاہیے چنانچہ آپ کی اس تنبیہ اور اصول سے یہ بات تو واضح ہو جاتی ہے کہ کلمہ حق، تعلیم حق اور تبلیغ دین کے فریضہ کیلئے ہر طرح سے خواتین کے حقوق میں صوفیۂ چشت راہنمائی فرماتے ہیں مگر ایک شرط کے ساتھ جو کہ درج ذیل اصول میں بیان کی جاتی ہے: "برادر من ہمہ زناں را بیعت کنید اما با زناں جواناں خلو تہائے طویلہ کہ موجب فتنہ مردم بشود نکند و در صحبت اولیٰ وقت بیعت دامنے بر دست پیچیدہ دست بر دست اور دارند کہ مس اجنبیہ حرام است۔"[8]

شاہ کلیم اللہ دہلویؒ اپنے ایک مکتوب میں شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ کو لکھتے ہیں کہ عورت کو بیعت کیا جاسکتا ہے تاکہ اس تک بھی رشد و ہدایت کا سلسلہ پہنچے کہ یہ فریضہ ہے لیکن ان کی خلوت سے بچا جائے اور براہ راست ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت نہ کیا جائے کہ اجنبیہ کو مس کرنا حرام ہے۔ شاہ صاحب کے ان دو اصولوں کے پیش نظر موجودہ دور میں پائے جانے والے دونوں طرح کے رجحانات میں اعتدال قائم کرنے کی طرف راہنمائی ملتی ہے۔ یعنی عورت کو تعلیم و تربیت اور روزگار کے مواقع تک ہر طرح کی سہولت کو فراہم کیا جائے لیکن مخلوط نظام نہ ہو اور ایسا نظام نہ ہو کہ جس میں صحبتِ غیر محرم اور اختلاط کا احتمال ہو۔ ایک طرف دیکھا جائے تو موجودہ دور میں میڈیکل سائنسز کے بڑھتے ہوئے تحقیقی میدان میں خواتین ڈاکٹرز کی معاشرے میں بہت ضرورت ہے کہ خواتین اپنے علاج معالجہ کیلئے خواتین ڈاکٹرز کے پاس ہی جائیں۔ لیکن دوسری طرف میڈیکل یونیورسٹیز میں صرف خواتین کی یونیورسٹیز کا تناسب نہ ہونے کے برابر ہے۔ پنجاب میں گورنمنٹ کے تحت چلنے والے میڈیکل کالجز میں صرف دو کالج ایسے ہیں جو خواتین کے لیے مختص ہیں۔ باقی سرکاری اور غیر سرکاری تمام کالجز میں مخلوط نظامِ تعلیم ہے۔ اسی طرح جنرل جامعات کی شرح کا تناسب بھی یکسر اہمیت کا حامل ہے۔ کیونکہ اسوقت پاکستان میں بالخصوص اور دنیا میں بالعموم خواتین کی تعداد بڑھتی جارہی ہے مگر اس تناسب سے پاکستان میں خواتین کی تعلیم و تربیت کے لیے الگ سے ادارے اس تناسب کو نہیں پہنچتے۔ اور کالج کی سطح پر مخلوط تعلیمی نظام کے دُور رس نتائج معاشرے پر مرتب ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ روحانی و باطنی فضا آلودہ ہوتی جارہی ہے اور نت نئے مسائل کی

طرف معاشرہ بڑھتا جا رہا ہے۔ عصر حاضر میں خاتون کو ایک تفریح کا ذریعہ تصور کیا جاتا ہے۔ چنانچہ مغرب میں بالخصوص اور پاکستان و دیگر اسلامی ممالک میں بالعموم موسیقی فروغ پانے لگی ہے اور اس کیلئے بھی خواتین موسیقار اور رقاصاؤں کو ایک مہذب نام دیا جاتا ہے اور ان کو تہذیب کا حصہ بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ چنانچہ ایسی ہی صورتحال ایک بار خواجہ فخر الدین کے دور میں پیش آئی کہ انھوں نے عرس سلطان المشائخ کے موقع پر خواتین کے رقص کے بارے میں سنا تو انتہائی غصے کا اظہار کرتے ہوئے نہایت سخت الفاظ میں عورتوں کا رقص دیکھنے اور ان کا گانا سننے سے منع فرمایا۔[9]

صوفیہ چشت حقوقِ نسواں کے عین علمبردار تھے مگر حدود و قیود اور شرائط کو مد نظر رکھتے ہوئے پہلے تو ایسی صورت سے ہی اجتناب کرنے کی تنبیہ فرماتے ہیں کہ جس میں خلوتِ زناناں کا احتمال ہو اور اگر اختلاط کے بغیر صورتحال ناگزیر ہو تو بھی حرمت کے قرآنی اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے تلقین فرماتے ہیں۔ مابعد جدیدیت کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ Women is a source of entertainment ہے۔ تو صوفیہ نے انگشت بگریبان ہو کر عورت کے اس ذلت آمیز تصویر کو ختم کیا۔ یہ عورت کا حق نہیں کہ اُس کو ناچ گانے کی اجازت دی جائے بلکہ یہ اُس کا حق ہے کہ ایک مسلم معاشرے میں دی گئی تکریم کے ساتھ عورت ایک سنجیدہ زندگی گزارے اور تمام شعبہ ہائے زندگی میں یکساں حقوق حاصل کرے۔ اسلام مومن خواتین کو بالخصوص اور تمام خواتین کو بالعموم اُن کا معاشرتی مقام فطرت کے اصولوں کے عین مطابق دیتا ہے اگر ان میں بگاڑ آئے تو معاشرت میں توازن رہ نہیں سکتا۔ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا [10]۔ کا قرآنی اصول معاشرت میں عورت کے مقام کی ترجمانی کرتا ہے۔ کہ ہر شعبہ زندگی میں محض اسی بات کا خیال رکھا جائے کہ جسمانی، روحانی اور ذہنی ہر طرح کی ایذاء سے خواتین کی حفاظت ہو۔

عصر حاصر میں مغربی معاشرت سے مستعار لیتے ہوئے ہم نے پاکستان میں بھی ایسی قانون سازی کر رکھی ہے کہ جو آخر کار تربیت کے حوالے سے مادر پدر آزاد طبقہ کو معاشرے میں جنم دیتی ہے جو کہ معاشرے میں اعتدال کو ختم کر دیتا ہے۔ اس کی ایک مثال مارچ 2016ء میں پنجاب اسمبلی میں پاس کیا گیا حقوق نسواں بل ہے۔ جس کے مطابق عورت کو ہر طرح کی ایسی آزادی حاصل ہے کہ ماں باپ کو بھی پوچھ گچھ کا حق نہیں۔ اسلام تو عورت کو نکاح میں مرضی کی پوری پوری اجازت بھی والی کی موجودگی میں ہی دیتا ہے چہ جائیکہ باقی تمام معاملات میں والی خود ہی باز پرس کا حق نہ رکھے۔

ایک طرف جہاں عورت کی آزادی کے علمبردار معاشرے میں مادر پدر آزاد طبقہ کو جنم دیکر توازن کو خراب کرتے ہیں تو دوسری طرف ایسا طبقہ ہے جو عورت کو اُس کے بنیادی حقوق سے ہی محروم کر دیتا ہے۔ خاص طور پر برصغیر پاک وہند کی معاشرت میں آج بھی عورت کو غیرت کے نام پر قتل اور وٹہ سٹہ اور ونی کی بدرسومات کی بھینٹ چڑھایا جاتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ شاہ کلیم اللہ دہلویؒ کے بیان کردہ اصول کے مطابق اس نوبت تک ہی نہ پہنچا جائے کہ ایسی رسومات کے موجب محرکات زیر عمل آئیں۔ اور اگر معاشرہ میں بُرائی ہوئی بھی ہے تو شریعت نے مکمل اصول وضوابط کے ساتھ سزائیں تجویز کر کے روک تھام کا مکمل انتظام کیا ہے۔ غیرت کے نام پر قتل، کاروکاری، وٹہ سٹہ، اور ونی کی باطل رسومات کے تدارک میں شاہ سلیمان تونسویؒ فرماتے ہیں کہ تمام معاملات زندگی میں خیر اور فلاح کے ساتھ ساتھ کمال انسانیت

محض اتباع شریعت میں ہے۔ یعنی اگر کسی سے فعل بد سرزد ہو گیا ہے تو عزت و تکریم کے ساتھ مجوزہ شرعی سزا دی جائے نہ زندگیوں کو تباہ کر کے معاشرتی بگاڑ پیدا کیا جائے۔

"از امر غیر مشروع دور باشد و حصول کمال انسانی بغیر متابعت شریعت ظاہری و باطنی از قبیل محال است"[11]۔ یعنی غیر شرعی امور سے دور رہو اور کمالِ انسانیت کا حصول صرف اور صرف ظاہری و باطنی تمام امور میں اتباعِ شریعت سے تعبیر ہے ورنہ کمال انسانیت محال امر ہے۔ آپ کا یہ فرمان درج ذیل آیت کی تعلیمات کی عکاسی کرتا ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً[12]۔ "اے ایمان والو پورے کے پورے دین میں داخل ہو جاؤ۔"

چنانچہ یہ امور نہ صرف بدعات کے زمرے میں آتے ہیں بلکہ انسانیت کے اخلاقی قتل کے زمرے میں بھی آتے ہیں۔

سماجی رویوں کی درستی :

عصر حاضر میں پیش آمدہ کچھ ایسے نازک مسائل ہیں کہ جن کا تعلق مختلف سماجی رویوں سے ہے اور ان کی درستی میں صوفیہ کرام (صوفیہ چشت) کی تعلیمات سے استفادہ بہت ضروری ہے۔

ان مسائل میں عصر حاضر میں بین الا قوامی طور پر بالعموم اور برصغیر میں بالخصوص جس مسئلے کا سامنا ہے وہ عدم برداشت ہے۔ آج رواداری کا نام سننے کو نہیں ملتا۔ معاشرے میں اس بُرائی کو بعض جگہوں پر عجیب اصطلاحات کے ذریعے بیان کر کے اس بُرائی کو بُرائی سمجھا ہی نہیں جاتا۔ عصر حاضر میں مذہبی تعصب کی بنیاد پر ایک دوسرے کو برداشت نہ کرنے کا رواج عام ہو چکا ہے۔ اس کی بہت بڑی مثالوں میں خاص طور پر یورپی ممالک میں مسلمانوں کے لیے ہونے والی دوھرے معیار پر مبنی قانون سازی ہے۔ اگر مسلمان اپنے دین پر عمل پیرا ہونا چاہیں تو اسے بنیاد پرستی کا نام دیا جاتا ہے جبکہ خود صیہونی طاقتیں اپنے مذہبی عقائد و افکار میں بنیاد پرست نظر آتی ہیں۔ جسکی مثال عصر حاضر میں سکارف پر پابندی کے حوالے سے فرانسیسی قانون سازی اور برطانوی و امریکی سماجی رویے ہیں۔ اس وقت سماج میں مسلمانوں کے شعائر کی عدم برداشت کے حوالے سے مختلف رویے پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ اگر کوئی شخص گائے کی قربانی کی طرف آتا ہے تو ہندوستان میں اُسے موت کی بھینٹ چڑھا دیا جاتا ہے جبکہ گائے کے گوشت کی سب سے بڑی درآمد و برآمدی کمپنی خود ایک ہندو شخص کی نگرانی میں چل رہی ہے۔ جہاں بین المذاہب عدم برداشت کا سلسلہ اپنے عروج پر ہے وہیں دوسری طرف صوفیہ چشت کی تعلیمات سے کچھ اور درس ملتا ہے۔ چنانچہ شاہ کلیم اللہ دہلوی نے شاہ نظام الدین اورنگ آبادی کو ایک خط میں یوں لکھا کہ جو لوگ ہمیں بُرا کہتے ہیں انہیں کہنے دو اور رواداری کے ساتھ اپنا کام جاری رکھو۔

"ہر کہ مارا بدیاد میکند ما مستحق زیادہ از آنیم کہ او لطف کردہ کم دشنام مید ہد ماعفو کردیم شما ہم عفو کنید"[13]۔ یعنی کوئی شخص ہمیں بُرائی سے یاد کرتا ہے تو ہمیں اس سے کوئی شکایت نہیں اس لیے کہ ہم اس سے بھی زیادہ بُرائی کے مستحق ہیں اس نے لطف کیا اور ہمیں کم گالیاں دیں ہم نے اسے معاف کر دیا سو تم بھی اُسے معاف کر دو۔ صوفیائے چشت کے اسی قانون حسن ظن کو سامنے رکھا جائے تو عدم برداشت کے سماجی رویے کا قلع قمع ہو سکتا ہے شاہ صاحب کا یوں فرمانا گویا کہ درج ذیل آیت کے ضمن میں ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ۔[14]

ترجمہ: اے ایمان والو! گمان سے اجتناب کرو کیونکہ بعض ظن (اصل میں) سوئے ظن ہوتے ہیں۔

لیکن یہاں شاہ صاحب سوئے ظن تو ایک طرف اپنے متعلق سنی گئی بات کو جیسے سُننا ہی نہیں چاہتے۔ صوفیہ کرام کا یہی رواداری کا سبق دراصل تمام عالم کے مذاہب و سماج میں عدم برداشت کے رویے کو ختم کر سکتا ہے۔

یہاں ایک اور بات قابل غور اور قابل ذکر ہے کہ صوفیائے چشت صرف صلح کلی کے بھی علم بردار نہیں تھے بلکہ محض صلح کلی کی بجائے اس رواداری کی کچھ حدود بھی قائم کرتے ہیں اور پھر اُن پر قائم رہنے کا سبق دیتے ہیں۔ مؤمن صلح کلی کا علم بردار ضرور ہوتا ہے مگر خود داری بھی مومن کا شیوا ہے۔ چنانچہ شاہ محمد سلیمان تونسویؒ بہت واضح الفاظ میں فرماتے ہیں کہ ہندوؤں کے ساتھ صلح رکھو انہیں اپنے حلقوں میں بیٹھنے کی اجازت دو مگر ان کے مذہب کو اختیار کرنے سے باز رہو اور خبردار اس طرح کا کوئی خطرہ بھی دل میں کھٹکنے نہ پائے کہ تم دین حق کو چھوڑ کر ہندو مذہب کو اختیار کرنے کا سوچو۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ اپنے مذہب، اپنے تمدن اور اپنی شریعت پر قائم رہو مگر ساتھ ہی ساتھ دوسرے مذاہب کے ساتھ رواداری کا معاملہ قائم رکھو اپنے تعلقات میں بدمزگی پیدا نہ ہونے دو۔[15]

صوفیہ چشت رواداری کے معاملے میں درج ذیل قرآنی اصول کو بھی سامنے رکھتے ہیں۔

وَلاَ تَسُبُّواْ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللّهِ فَيَسُبُّواْ اللّهَ عَدْواً بِغَيْرِ عِلْمٍ۔[16]

ترجمہ: اور مت بُرا کہو ان کو جنہیں وہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں کہ اس کے جواب میں وہ لوگ بغیر علم رکھے تمہارے خُدائے واحد و یکتا کو بُرا کہیں گے۔

صلح کلی کو صوفیہ نے مومن کی ایمانی خودداری کے ساتھ مشروط کیا اور جہاں ضرورت پیش آئی میدان عمل میں جہاد کے لیے بھی اُترے۔ چنانچہ حافظ جمال اللہ ملتانیؒ نے اپنے وقت میں پنجاب بھر میں سکھوں کے تسلط کی وجہ سے مسلمانوں کو درپیش مصائب و آلام کا مقابلہ تیر و کمان سے کیا۔ جب بھی سکھ ملتان پر حملہ آور ہوئے حافظ صاحب تیر و کمان لیے مقابلے میں کھڑے ہوئے اور ان کی زندگی میں ملتان پر سکھوں کا تسلط قائم نہیں ہو سکا۔ حافظ صاحب جہاں ایک طرف درس و تدریس اور روحانی افکار و سماجی رویوں کو سنوارنے میں مصروف عمل نظر آتے ہیں وہیں عملی جہاد سے بھی خوب واقف تھے۔ چنانچہ 1226ھ میں جب ملتان پر حملہ ہوا تو فرمانے لگے کہ میرا دو درجات میں سے ایک درجہ ہے یا غازی یا شہید اور اس کے بعد مقابلہ میں سبقت فرمائی اور خوف و خطر سے بے آشنا توکل علی اللہ کی عمدہ مثال بن کر میدان میں اُترے اور سکھوں کو پسپائی ہوئی۔ "مارا دو درجہ است یکے درجہ غزاء دوم درجہ شہادت"[17]۔

ایک جنگ میں حافظ صاحب قلعہ ملتان کے بُرج میں بیٹھے خود تیر برسا رہے تھے۔ صاحب مناقب المحبوبین نے اس کو صراحت کے ساتھ یوں بیان کیا ہے کہ: "درآں وقت جنگ حافظ صاحب مرحوم در برج قلعہ ملتان تیر و کمان بدست خود گرفتہ پتر بر کافراں می انداختند "[18]۔

حافظ جمال اللہ ملتانی کے یہاں عملی جہاد کی جو صورت نظر آتی ہے وہ قرآن نے یوں بیان کی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ خُذُواْ حِذْرَكُمْ[19]۔

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنا جنگی ساز و سامان تیار رکھو۔

آج ضرورت اس امر کی ہے کہ صوفیہ نے تو بین المذاہب عدم برداشت کو ترک کیا جب کہ ہم مسلمان بین المسالک عدم برداشت پر عملی طور پر قائل نظر آتے ہیں۔ موجودہ دور میں فکری طور پر ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت عالمِ اسلام کو مذہبی طور پر دو دھڑوں میں تقسیم کیا جارہا ہے، شیعہ و سنی۔ اور ان دو دھڑوں کے پیچھے دو بڑی عالمی طاقتوں روس اور امریکہ کے اپنے اپنے مفادات شامل ہیں۔ اور ہم مسلمان مال کے فتنے میں اس قدر حد سے بڑھ چکے ہیں کہ جانتے ہوئے بھی انہیں سامراجی طاقتوں کے آلہ کار بننے کے لیے ہمہ وقت تیار ہیں۔ ہمیں پاکستان و ہندوستان میں بالخصوص اور عالم اسلام میں بالعموم صوفیہ کے حسن رواداری کی اس داستان کو دھرانا ہے اور سماجی رویوں کی درستی صوفیہ کی تعلیمات اور عملی کردار کے مطابق کرنی ہے۔ دین اسلام میں داخلی طور پر بین المسالک ہم آہنگی کو تمام تر کدورتوں سے پاک کرتے ہوئے، خارجی طور پر بین المذاہب ہم آہنگی کو اپنانا ہوگا۔ اور اس سلسلے میں صوفیہ چشت کے اصول رواداری مشعل راہ ہیں کہ جن میں دوسرے مذاہب کیلئے کھلی جگہ ہے مگر اپنی شریعت و تمدن کو اختیار کرتے ہوئے اور اسی طرح جہاں میدان عمل میں تیر و کمان کے ساتھ اترنا پڑے اپنا سامان جنگ بھی تیار رکھیں تاکہ امت کا شیرازہ نہ بکھر سکے۔

عصرِ حاضر میں ایک اہم سماجی رویہ جس کی درستی ناگزیر ہے وہ نسلی و لسانی تعصب ہے۔ بین الاقوامی طور پر اس تعصب کو Racism کی اصطلاح سے جانا جاتا ہے یعنی نسلی طور پر اور لسانی طور پر اپنے آپ کو دوسرے سے بہتر سمجھنا۔ صوفیہ کرام نے اس کی ہمیشہ تردید کی ہے۔ چنانچہ شاہ فخر الدین دھلوی قرآن مجید کی درج ذیل آیت میں حکمتوں کو یوں اُجاگر کرتے ہیں کہ:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ۔[20]

ترجمہ: اے گروہ انسانیت ڈرو اپنے رب سے جس نے تمہیں نفسِ واحد سے پیدا کیا۔

خواجہ فخر الدینؒ اپنے مریدین کو اصلاح کیلئے فرماتے ہیں کہ یہاں نسل انسانیت سے خطاب ہے اور اللہ تعالیٰ نے دو باتوں کو باور کرایا ہے۔ ایک یہ کہ تمہارا خُدا، خُدائے واحد و یکتا ہے اور دوسرا یہ کہ تمہارا باپ ایک ہی ہے یعنی آدمؑ۔ تو پھر اس کے بعد نہ تو خُدا کے حکم سے روگردانی کا کوئی جواز باقی رہتا ہے اور نہ ہی کسی قسم کا کوئی نسلی تفاخر باقی رہ جاتا ہے۔ صوفیہ چشت کا یہی اصول سماج کے اس رویے کو ختم کرنے کیلئے مشعل راہ ہے کہ جس میں نسلی و لسانی تعصب تمام تر رواداری کی حدود کو پامال کر چکا ہے۔ ذات پات کے جھگڑے آج بھی معاشرے میں عام ہیں۔ آج بھی لوگ اپنی ہی برادری اور ذات کے لوگوں کا ساتھ دیتے ہیں چاہے ناحق ہی کیوں نہ ہو اور یہ تعصب معاشرے کے ہر طبقے میں پایا جاتا ہے کہیں معاشرتی سیاست میں تو کہیں اداریاتی سیاست میں۔ ہر جگہ محض انفرادی مفادات کی جنگ ہے اور اس جنگ کی آڑ میں ہم نہ صرف ظلم کا ارتکاب کرتے ہیں بلکہ تعصب کی فضاء کو مابعد میں بھی منتقل کرنے کی کوشش میں ہوتے ہیں۔ بین الاقوامی طور پر یہی تعصب سیاہ فام لوگوں کو دیکھنے میں ملتا ہے۔ آج بھی امریکہ، برطانیہ اور فرانس و اٹلی کے سماج میں سیاہ فام لوگوں کی وہ عزت اور قدر و قیمت نہیں۔ بظاہر انسانی رواداری اور نسلی تعصب میں اعتدال نظر آتا ہے مگر سماج میں یہ تعصب پروان چڑھ رہا ہے۔ پاکستان میں لسانی اعتبار سے پنجابی، سرائیکی ،سندھی، بلوچی، پختون اور اردو بولنے والے گویا کہ کسی نہ کسی حد تک لسانی تعصب کا شکار ضرور ہیں۔ سماجی طور پر یہ رویہ آج بھی اپنی جڑوں کے ساتھ مضبوط ہے۔ چنانچہ لسانی تقسیم نے پورے پاکستان کو سماجی طور پر جکڑ رکھا ہے۔ جب کہ صوفیۂ چشت نے ایک خُدا کی عبادت کے بعد آدم

کی نسل ہونے کی بناء پر اس سماجی رویے کا قلع قمع کیا ہے۔ چنانچہ ہمارے معاشرہ کو آج بھی اسی اصول کے تحت آبیاری کی ضرورت ہے۔ اگر ہم خواجہ فخر الدین کے اس بیان کردہ اصول کو سامنے رکھیں تو ہر طرح کا نسلی و لسانی تفاخر ختم ہو سکتا ہے۔

عصر حاضر میں ایک طرف تو جدیدیت اور ترقی کا دم بھرا جاتا ہے لیکن دوسری طرف ایک گھناؤنی سازش تعصب پسندی کی بھی دیکھنے میں ملتی ہے۔ اور اس تعصب سے کوئی بھی معاشرہ پاک نہیں۔ کہیں سیاہ فام لوگوں کو ترقی کرتے ہوئے دیکھا نہیں جا سکتا تو کہیں ہم خیال لوگوں کے علاوہ دوسروں کو قبول نہیں کیا جاتا۔ سماجی رویوں میں یہ ایک ایسا ناسور ہے جس نے بین الاقوامی طور پر بدامنی کو ہوا دی ہوئی ہے۔ صوفیہ چشت نے اس ناسور کو ختم کرنے کیلئے رواداری کے اصول کو اپنایا ہے جس کو مشعل راہ تصور کیے بغیر اس سماجی بیماری سے نکلنا ناممکن ہے۔

مختلف سماجی رویوں کی اصلاح کے ساتھ ساتھ صوفیہ نے حسن معاشرت کو سامنے رکھتے ہوئے معاشرتی اصلاح میں انفرادی تربیت کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ تاکہ انفرادی تربیت و اصلاح کے ذریعے اجتماعی مسائل پر قابو پایا جاسکے چنانچہ غیبت، غرور، حسد وغیرھم سے مکمل اجتناب کی تلقین فرمائی۔ خواجہ شاہ سلیمان تونسویؒ فرماتے ہیں کہ:

"گل توحید نہ روید بہ زمینے کہ درد خار شرک وحسد و کبر وریا است"[21]۔ توحید کا گل اس زمین پر نہیں کھلتا کہ جہاں شرک، حسد اور تکبر وریا کے کانٹے موجود ہوں۔ یعنی اگر کوئی شخص معرفت و عرفان الٰہیہ کے حصول کا طلب گار ہے تو اسے چاہیے کہ شرک، حسد، تکبر اور ریاکاری جیسے رذائل و کبائر سے اجتناب کرے۔ اسی طرح عیب جوئی کی ممانعت میں فرماتے ہیں کہ:

"سالک را باید کہ بہ سبب بنی خویش از عیب خلق چشم بہ بند کرعین سعادت و ورضا مندی حق دارین مندرجہ است"[22]۔ یعنی سالک کو چاہیے کہ وہ لوگوں کے عیوب سے اپنی نظر کو بند رکھے کہ یہی عمل دراصل حق تعالیٰ کے قرب کا موجب ہے اور سعادت ورضا مندی حق تعالیٰ اسی میں مضمر ہے۔ پھر درج ذیل حدیث تلاوت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

طوبی لمن شغلہ عینہ عن عیوب الناس۔[23]

ترجمہ: نیکی (پاکی) ہے اس کے لیے جس نے اپنی آنکھ کو لوگوں کے عیوب سے بچالیا۔

اسی طرح غیبت کی ممانعت فرماتے ہوئے فرماتے ہیں کہ غیبت سے بچو قرآن پاک کا حکم ہے کہ:

وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضاً أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتاً فَكَرِهْتُمُوهُ۔[24]

ترجمہ: اور ایک دوسرے کی غیبت کرنے سے بچو کیا تم میں سے کوئی اس کو پسند کرے گا کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔

اخلاق رزیلہ اور عادات بد جیسے سماجی رویوں پر صوفیہ چشت نظر عمیق رکھتے تھے۔ چنانچہ فرماتے تھے کہ یہ وہ بدعات ہیں جو انسان کو انفرادی طور پر ختم کر دیتے ہیں اور پھر اجتماعی طور پر معاشرے میں بے اعتدالی اور بدامنی کا مؤجب بنتی ہیں۔ انہیں رذائل میں ایک اور بدعادت جانوروں کا خیال نہ رکھنے کی بھی ہے۔ چنانچہ اس ضمن میں خواجہ محمد عاقل فرماتے ہیں کہ جو شخص جانوروں کو پالتا ہے مگر اُن کی خبر گیری نہیں کرتا تو بروز قیامت اس سے اس بارے میں پرسش ہو گی۔ یہ معمولی باتیں ہیں مگر حسن معاشرت میں اپنا درجہ رکھتی ہیں۔ چنانچہ صوفیہ چشت نے انفرادی واجتماعی تربیت کے اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے مختلف سماجی رویوں کی درستی میں اپنا کردار ادا کیا۔

انسدادِ جرائم:

صوفیہ چشت معاشرے میں مختلف معاشی و معاشرتی برائیوں اور جرائم پر بھی نظر عمیق رکھتے تھے اور ان کے تدارک کیلئے کوشاں رہتے تھے۔ ذیل میں موجودہ دور میں پائی جانے والی معاشی و معاشرتی برائیوں اور جرائم کا انسداد صوفیہ کی تعلیمات کے ذریعے کرتے ہیں۔ ان میں پہلا نمبر شراب خوری اور رشوت ستانی کا ہے۔ حدود قوانین اسلامیہ میں ان دونوں معاشرتی بُرائیوں سے بچنے اور ان کا سدباب کرنے کے لیے قوانین پیش کیے گئے ہیں۔ یہ وہ معاشرتی بُرائیاں ہیں جو عام ہیں۔ خاص طور پر رشوت ستانی برصغیر پاک وہند میں ایک وطیرہ بن چکی ہے۔ کوئی بھی جائز کام رشوت کے بغیر ناممکن ہے۔ رشوت سے متعلق نبی اکرم ﷺ کی وعید ہے کہ:

الراشی والمرتشی کلاھما فی النار[25]۔ یعنی رشوت دینے والا اور لینے والا دونوں جہنمی ہیں۔

صوفیہ چشت نے اس معاشرتی بُرائی کو بھی بھانپا اور خوب تدارک کیا۔ چنانچہ شاہ نظام الدین اورنگ آبادی فرماتے ہیں کہ پہلے زمانے میں قاضی صاحب نسبت ہوا کرتے تھے موجودہ زمانے میں رشوت خور ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ:

"ہر کہ حرام خورد رزق او تنگ شود و عاجز باشد چنانچہ دز داں ہمیشہ خوار باشد"[26]۔ یعنی جو کوئی حرام کھاتا ہے اس کا رزق تنگ ہو جاتا ہے اور وہ عاجز ہو جاتا ہے۔ چنانچہ چور ہمیشہ خوار ہوتے ہیں۔ اور چوری کی سزا میں اتباعِ شریعت کی تلقین دیتے ہیں کہ جس کے مطابق: وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا[27]۔ صاحبان عمال کی نااہلیوں اور نالائقیوں کی طرف شاہ محمد سلیمان تونسوی اشارہ فرماتے ہیں کہ:

"ھر اھل کار درین زماں کی می آید از سابق بدتر باشد"[28]۔ اس زمانے میں ہر اہل کار جو آتا ہے پہلے اہل کار سے بد ہوتا ہے۔

اسی طرح شراب خوری کی بُرائی سے بھی صوفیۂ چشت مکمل طور پر واقف تھے اور اس کے تدارک میں کوشاں رہتے تھے۔ عصر حاضر میں یہ بُرائی انتہائی عام ہو چکی ہے اور اس بُرائی نے جو کہ ام الخبائث ہے مختلف بدلتے ہوئے ناموں کے ساتھ معاشرے میں جگہ بنائی ہے۔ خواجہ شاہ سلیمان اپنے معاشرے میں اس بُرائی کے تدارک میں یوں درس ارشاد فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کے نفس پر شیطان کو غالب کر دیتا ہے تو وہ شراب خوری وغیرہ کا ارتکاب کرنے لگتا ہے اور اُن کی یہ بات درج ذیل آیت قرآنی کی روشنی میں ہے کہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ۔[29]

ترجمہ: اے ایمان والو! بے شک شراب، جوئے اور پانسے شیطانی عمل ہیں۔ اور ان سے بچنے کی تلقین فرمائی گئی ہے۔

اِس ضمن میں دوسری معاشرتی برائی اور عصرِ حاضر کا ایک انتہائی اہم اور نازک مسئلہ دہشت گردی ہے۔ جس کی کوئی گنجائش دین اسلام و باقی ادیانِ عالم اور صوفیہ چشت کے ہاں نہیں ملتی۔ بے دینی اخلاقی بے راہ روی اور ہوس زر نے پہلے ہی معاشرے کو مضطرب کر رکھا ہے۔ اب انتہا پسندی اور دہشت گردی نے اس کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ یوں تو معاشرے کے تمام ادارے شکست وریخت کا شکار ہیں مگر جہاد اسلام کی تاویلات کر کے دہشت گردی کے ناسور نے پورے کے پورے معاشرے کا امن تباہ کر رکھا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی اسلام اور مسلمانوں پر کٹھن دور آیا صوفیہ نے ہی نظام فکر و عمل کے ذریعے دور انحطاط میں مسلم معاشرے کی راکھ میں چنگاریوں کو بجھنے سے بچائے رکھا۔ جس کا اعتراف ایک مستشرق A.R.Gibb نے بھی کیا۔ Gibb کے مطابق تاریخ اسلام میں بارہا ایسے مواقع آئے کہ اسلام کے

تمدن کا شدت سے مقابلہ کیا گیا لیکن بایں ہمہ وہ مغلوب نہ ہو سکا۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ کہ تصوف اور صوفیہ کا اندازِ فکر فوراً اس کی مدد کو آ جاتا رہا۔ اور اس کو اتنی توانائی اور قوت بخش دیتا تھا کہ کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی۔[30]

دہشت گردی کے خطرہ سے نمٹنے کیلئے صوفیہ ٔاسلام کے راہنما اصولوں کو سامنے رکھتے ہوئے فکری محاذ پر لڑنے کی ضرورت پڑ چکی ہے۔ ایک طرف جہاں اس خطرے کی بنیادوں کو ختم کرنے کی ضرورت ہے تو دوسری طرف فکری اور نظریاتی طور پر ہم آہنگی لانے کی ضرورت ہے۔

معاشی برائیوں میں ایک برائی ذخیرہ اندوزی ہے اس کی وجہ سے بروقت اور بر موقع چیز عدم دستیاب ہو جاتی ہے اور اس جُرم کا ارتکاب محض زیادہ منافع خوری کیلئے کیا جاتا ہے۔ نانچہ خواجہ فخر الدین دھلویؒ معاشرے میں اس معاشی بیماری کا تدارک یوں کرتے ہیں کہ:

"اگر کسے سوداگری دانہ گندم کند بریں نیت کہ غلہ را بہ قیمت گراں خواہم فروخت ایں امر در شریعت ممنوع است بلکہ ہر کہ ایں نیت کند عاقبت الامر خوار شدہ بمیرد"[31]۔ یعنی اگر کوئی شخص اس نیت سے گیہوں کی تجارت کرے کہ اس کو رکھ کر گراں بیچوں گا تو یہ امر شریعت میں ممنوع ہے بلکہ جو کوئی ایسی نیت کرتا ہے اُس کی عاقبت خراب ہوتی ہے۔

آج ہم دیکھتے ہیں کہ بین الاقوامی طور پر معاشی استحصالی کی بڑی وجوہات میں سے ایک وجہ احتکار یعنی ذخیرہ اندوزی ہے۔ عراق پر حملے کے بعد امریکہ نے اور دیگر ممالک نے یہاں سے تیل حاصل کرنے بعد تیل کی مارکیٹ میں احتکار کی ایسی صورت اختیار کی کہ پوری دنیا میں 2015ء میں عالمی منڈی میں ایک معاشی بحران Economical Crisis کی فضا قائم ہوگئی۔ بعد ازاں اس کا سب سے زیادہ نقصان عرب ممالک کو پہنچا۔ بد قسمتی سے اس وقت مسلمانوں کی معیشت یہود و نصاریٰ کی سازشوں اور اپنی کمزوریوں کی وجہ سے IMF اور World Bank کی محتاج ہے۔ جو احتکار اور ربوا کے اصولوں پر تجارت کرتے ہیں۔ ایسا ہی معاملہ سونے اور دوسری قیمتی اشیاء کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

عالمی سطح پر معاشی استحصالی کی ایک بڑی وجہ سود خوری ہے۔ صوفیہ ٔچشت نے اپنی تعلیمات میں اس معاشرتی و معاشی بُرائی کا تدارک کیا۔ چنانچہ شاہ کلیم اللہ دہلویؒ نے شاہ اورنگ آبادی کو ہدایت فرمائی کہ لوگوں کو سود خوری سے منع کیا جائے اور اس کیلئے سخت ترین حکمت عملی اپنائی جائے[32]۔ سود کا معاشی نظام دراصل معاشرتی و معاشی استحصال کی بنیاد ہے اور افراط زر کی بنیادی وجہ ہے۔ یہ ایک ایسی لعنت ہے کہ جس سے قرض لینے والے کی جان نہیں چھوٹتی اور ایک شخص یا طاقت جو قرض دیتی ہے وہ برسوں تک اُس مقروض کا معاشی استحصال کرتی رہتی ہے۔ چنانچہ صوفیہ ٔچشت کا یہ اصول قرآن و حدیث کی درج ذیل نصوص کے عین مطابق ہے۔

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَ يُرْبِي الصَّدَقٰتِ[33]۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ سود کو کم کرتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے سب سے پہلے اپنے خاندان کا سود معاف کرتے ہوئے حجۃ الوداع کے موقع پر سود کی حرمت کو صریحاً بیان فرمایا۔ لیکن موجودہ دور میں بینکاری میں سود کی یہ لعنت مختلف ناموں سے پائی جاتی ہے۔ مختلف Banking Terms اس کے لیے وضع کی گئی ہیں جب کہ اصل ایک ہی ہے۔ مثلاً Mark-up interest وغیرہ۔ ہماری بد قسمتی یہ ہے کہ معاشی استحصال کے اس دھانے پر کھڑے ہیں

کہ ہم اس کے متبادل دنیا میں کوئی اسلامک بینکنگ کا غیر مشتبہ نظام متعارف نہیں کرواسکے۔ بین الاقوامی سطح پر صوفیۂ چشت کے بیان کردہ اصول معیشت وتجارت کے مطابق ہمیں اسلامک بینکنگ کی اشد ضرورت ہے۔ تاکہ غریب معاشرہ کا معاشی استحصال نہ ہو سکے اور اللہ تعالیٰ کی دھرتی پر اُسی کا قانون نافذ کیا جاسکے۔

زکوٰۃ ارکان اسلامی کی بنیادوں میں سے ہے۔ قرآن مجید میں بارھا جگھوں پر زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم آیا ہے۔اور حسن معاشرت کو اپنے کمال تک پہنچانے کے لیے زکوٰۃ کا نصاب اور صارفین کی مکمل وضاحت قرآن مجید میں موجود ہے۔ فرضیت کے اعتبار سے ارشاد ربانی ہے کہ:

وَأَقِيمُواْ الصَّلاَةَ وَآتُواْ الزَّكَاةَ وَارْكَعُواْ مَعَ الرَّاكِعِينَ۔[34]

ترجمہ: اور نماز ادا کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔

زکوٰۃ کی ادائیگی میں تامل کرنے والوں کے لیے یوں وعید سنائی گئی ہے کہ:

سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُواْ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔[35]

ترجمہ: عنقریب جس مال سے تم بخل کرتے ہو(زکوٰۃ کی ادائیگی میں) وہ قیامت کے دن ایک عذاب کے طوق کی صورت میں تمہاری گردنوں میں ہوگا۔

مسلم معاشرے کی معیشت کا حسن زکوٰۃ ہے۔ جس سے افراطِ زر کی لعنت سے چھٹکارا حاصل ہوتا ہے اور معاشرے کے وہ لوگ جو زکوٰۃ دیے جانے کے اہل ہیں ان تک یہ مال امانتاً پہنچانا عمالوں کی ذمہ داری ہے۔ ہمارے ہاں محکمہ زکوٰۃ وعشر موجود تو ہے لیکن حقیقت میں فعال نہیں۔ قرآن مجید میں درج ذیل مصارف زکوٰۃ بیان کیے گئے ہیں۔إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاء وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ۔[36]

صوفیہ چشت نے ارکان اسلام کی تلقین میں زکوٰۃ وصدقات کی ہمیشہ سختی کی ہے۔ چنانچہ شاہ سلیمان تونسویؒ زکوٰۃ نہ دینے والے کے خلاف سیدنا ابو بکر صدیق کی طرح جہاد کرنے کی تلقین کرتے تھے۔[37]

خلاصہ بحث:

درج بالا مباحث سے ہم اِس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ صوفیائے چشت نے گھر کی چار دیواری سے لے کے معاشرے کے ہر ہر رکن تک کے سماجی رویے کو پرکھا اور اصلاحات کیں جیسا کہ اولڈ ایج ہاوسز موجودہ دور میں قائم کیے جاتے ہیں تو اِن کے قیام کی دو جہتیں ہیں۔ یہ ہمارا ایک سماجی رویہ بن چکا ہے کہ ضعیف العمری میں والدین کی خدمت کرنے کی بجائے اُنہیں ریاست کے فلاحی ادارے یعنی اولڈ ایج ہاؤس کا ایک حصہ بنا دیا جائے صوفیائے چشت نے اِس رویے کی سختی سے مذمت کی۔ اولڈ ایج ہاوسز کے قیام کی دوسری جہت لاوارث ضعیف العمر لوگوں کی نگہداشت ہے جو صوفیائے چشت کی تعلیمات کے عین مطابق ہے۔ اِسی طرح سماج کے اندر رسومات کے حوالے سے جو رویے پائے جاتے ہیں مثلاً ونی کی رسم، وٹہ سٹہ اور دیگر ایسی رسومات جو معاشرے میں شخصی یا نوعی ظلم کی صورت پائی جاتی ہیں صوفیہ نے ایسی رسومات کا قلع قمع کیا۔ عصرِ حاضر میں بھی ان کی تعلیمات اس طرح کے درپیش چیلنجز کے لیے مشعل راہ ہیں۔

کسی بھی معاشرے میں معاشی بے اعتدالی بہت سے جرائم کو جنم دیتی ہے، معاشی بے اعتدالیوں کی بنیادی وجوہات میں سے ایک وجہ سود خوری ہے صوفیائے چشت نے سود سے متعلق سخت رویہ اختیار کیا جو کہ قرآن و سنت کی روشنی کے عین مطابق ہے، تجارت کے حوالے سے عصرِ حاضر میں ایک رویہ ذخیرہ اندوزی کا پایا جاتا ہے۔ صوفیائے چشت نے اِس غلط رویے کو ختم کیا چنانچہ تاجروں کو تلقین کی کہ وہ اس روش کو اختیار کر کے ناجائز مال کمانے کی طرف نہ جائیں۔ یہ وہ سماجی رویے ہیں جو آج بھی مختلف صورتوں میں ہمارے سماج میں پائے جاتے ہیں۔ اِن رویوں کی اصلاح کے لیے صوفیائے چشت کے بیان کردہ اصول ہمارے لیے مشعل راہ ہیں۔

سماج کا ایک رویہ ذات نبوی ﷺ سے دوری کا پایا جاتا ہے اِس رویے کی مختلف جہتیں ہیں اِن میں سے ایک جہت حدیث کا انکار کرنا اور شعائر اسلامیہ میں تاویلات اختیار کرنا ہے۔ جس کی مثال موجودہ دور میں "الصلوٰۃ" یعنی نماز ہے۔ الصلوٰۃ کے لفظ کی محض دُعا کے معنی کے ساتھ تاویل کر کے حدیث میں بتائے گئے نماز کے طریقہ سے اِنکار ہے۔ اِسی طرح سے عید الاضحیٰ پر قربانی کے حوالے سے معنوی تاویل کرتے ہوئے اِس بات کو اختیار کرنا ہے کہ قربانی کا حکم صِرف اُن لوگوں کیلئے ہے جو حج کا فریضہ انجام دے رہے ہوں اور اِس طرح کی دیگر تاویلات کا بنیادی سبب اِنکار حدیث ہے۔ صورفیائے چشت نے علم حدیث کی تعلیم کو جس طرح سے ترویج دی آج بھی اُن ہی اُصولوں پر عمل پیرا ہو کر اِن معاشرتی رویوں کے تدارک کی ضرورت ہے۔ عصر حاضر میں ایک اور رویہ نسلی و لسانی تعصب کا سامنے آتا ہے جس میں ایک قوم سے تعلق رکھنے والا شخص محض قومیت کی بناء پر ظالم کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہو جاتا ہے یہ طبقاتی تقسیم معاشرے میں بے اعتدالی کا بنیادی سبب ہے اِس سبب کو ختم کرنے کے لیے صوفیائے چشت کے درخشاں اُصولوں کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت ہے۔ عصر حاضر کے بنیادی مسائل میں سے ایک مسئلہ دہشت گردی کا ہے۔ صوفیائے چشت کے ہاں اِس رویے کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں لہٰذا صوفیائے چشت کی معاشرتی امن کے لیے کی گئی کاوشوں کو سامنے رکھتے ہوئے اُن کی تعلیمات کو عام کرنے کی ضرورت ہے تاکہ عدم برداشت کے اِس رویے کو ختم کیا جائے۔

حوالہ جات

---

[1] امام الدین، مولانا، نافع السالکین (ملفوظات خواجہ سلیمان تونسوی)، ضیاء القرآن پبلشرز، لاہور، ص117

[2] سیت پوری، حکیم محمد عمر، خلاصۃ الفوائد، مکتبۃ الجمال، ملتان، 2015، ص86

[3] الاسراء23:17

[4] حسینی سید نور الدین، فخر الطالبین (ملفوظات شاہ فخر الدین دہلوی)، مطبع یوسفی، دہلی، 1435ھ، ص106

[5] البخاری، محمد بن اسمعیل، الجامع الصحیح، جامعہ رشیدیہ، کوئٹہ، رقم الحدیث3509

[6] ایضاً، رقم الحدیث6766

[7] سرہندی، شیخ احمد، مکتوبات امام ربانی، جامعہ رشیدیہ، کوئٹہ، مکتوب نمبر35

[8] ایضاً، مکتوب نمبر21

[9] حسینی، فخر الطالبین، ص12

[10] الاحزاب59:33

[11] امام الدین، نافع السالکین ،ص49

[12] البقرۃ2:208

[13] جہان آبادی، کلیم اللہ، مکتوبات کلیمی، لاہور، مکتوب نمبر23

[14] الحجرات12:49

[15] امام الدین، نافع السالکین، ص155

[16] الانعام6:108

[17] حاجی محمد نجم الدین، مناقب المحبوبین، مطبع محمد حسن، رامپور، س ن، ص137

[18] ایضاً، ص131

[19] النساء 4:71

[20] النساء4:1

[21] امام الدین، نافع السالکین، ص29

[22] ایضاً، ص43

[23] البیھقی ،احمد بن الحسین، شعب الایمان، باب الزھد و قصر الأمل، مکتبة الرشد ،الریاض، 2005ء، رقم الحدیث10079

[24] الحجرات12:49

[25] ابی داؤد سلیمان بن اشعث، السنن، باب فی کراھیة الرشوہ، رقم الحدیث3580

[26] اورنگ آبادی شاہ نظام الدین، نظام القلوب، مطبع مجتبائی، دہلی، 1309ھ، باب در علامات آواز شیطانی ورحمانی، ص120

[27] المائدہ 5:38

[28] امام الدین، نافع السالکین ،ص61

[29] المائدہ5:90

[30] Dr. Tahir ul Qadri, Speritualism and Magnetism, Minhaj Publication, Lahore, p-32

[31] حسینی، فخر الطالبین، ص154

[32] جہان آبادی، مکتوبات کلیمی، مکتوب نمبر35

[33] البقرۃ 2:276

[34] البقرۃ2:43

[35] آل عمران3:180

[36] التوبۃ9:60

[37] امام الدین، نافع السالکین، ص179